ڈاکٹر الیزاندرو باوسانی

اطالوی ثقافت پر اسلامی اثرات

[سرزمینِ دانتے کے معروف مستشرق پروفیسر الیزاندرو باوسانی (Alessandro Bausani) ۱۹۲۱ء میں روم میں پیدا ہوئے۔ اوائلِ عمر سے اُنھوں نے مشرقی زبانوں کی تحصیل سے دلچسپی لی اور عربی، فارسی، ترکی اور اُردو زبان و ادب میں تخصص حاصل کیا۔ روم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی سند لی اور وہیں ۱۹۴۴ء سے ۱۹۵۷ء تک فارسی زبان و ادب کے استاد رہے۔ ۱۹۵۷ء میں نیپلز کے مشرقی علوم کے ادارے میں شعبہ اُردو و فارسی کے صدر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۷۱ء میں واپس روم یونیورسٹی چلے گئے، مگر اس دفعہ فارسی کے بجائے اسلامیات کی تدریس اُن کی ذمّہ داری تھی۔ ۱۹۸۷ء میں یونیورسٹی سے ریٹائر ہوئے۔

پروفیسر باوسانی نے اسلامیات، فارسی زبان و ادب، تاریخِ ایران، اُردو ادب اور بالخصوص اقبال و غالب کو اپنی تحقیق کے موضوعات میں شامل کیا ہے۔ "جاوید نامہ" اور مثنوی "گلشن راز جدید" کے اطالوی ترجمے اُن کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ اُنھوں نے متعدّد بار پاکستان کا دورہ کیا ہے۔ اُن کی خدمات کے اعتراف میں، جو اُنھوں نے اٹلی میں اردو زبان و ادب کو متعارف کرانے کے لیے انجام دی ہیں، ۱۹۵۹ء میں حکومتِ پاکستان نے اُنھیں "ستارۂ امتیاز" سے نوازا تھا۔

۱۹۶۶ء میں جب وہ پاکستان کا دورہ کر رہے تھے، کراچی میں "کونسل آف آرٹس" کے زیر اہتمام اُنھوں نے "اطالوی ثقافت پر اسلامی اثرات" کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا تھا جس کا ملخّص ترجمہ پہلی بار ماہنامہ "ماہِ نو" (کراچی) کی اشاعت بابت ستمبر ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا۔ مدیر]

ایک مختصر لیکچر میں ان تمام اسلامی اثرات کا جائزہ لینا تو مشکل ہے جو اطالوی یا یورپی تہذیب و ثقافت پر ہیں، لیکن کچھ باتوں کا ذکر دلچسپی اور افادیت سے خالی نہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اطالیہ اور اسلام دو جداگانہ تصوّر [ہائے] حیات کے نمائندے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ اسلامی ثقافت اور مغربی ثقافت دو ایسی اقدار ہیں جنھیں ایک دوسرے سے بالکل اجنبی اور لاتعلق بھی نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام اور یورپ کا بڑا قریبی ربط رہا ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ اسلام اور عیسائیت دونوں ہی ذاتِ واحد کا تصوّر پیش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہندومت، بودھ مت یا چینی تہذیب کا تصوّرِ الٰہ جدا

ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے "لیکچروں" میں بالکل صحیح اشارہ کیا ہے۔

تاریخ حاضرہ کا سب سے بڑا عجوبہ یہ ہے کہ اسلام بڑی سرعت کے ساتھ روحانی طور پر مغرب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس تحریک میں کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ جہاں تک یورپی ثقافت کے بعض اہم اثرات کے ارتقائی عمل کا تعلق ہے، اس کا رخ یہی ہے۔

لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ اسلام نے یورپ پر بالعموم، اور اطالیہ پر بالخصوص، جو کچھ اثرات مرتب کیے ہیں، وہ ایک دوسرے سے اس قدر متغائیر بھی نہیں ہیں، بلکہ ایک ہی کنبے کے دو افراد کے باہمی لین دین کا سلسلہ ہیں۔ مثلاً بائبل، افلاطون، ارسطو، سکندر اعظم وغیرہ دونوں ہی ثقافتوں میں مشترکہ اقدار ہیں۔

میں یہاں صرف دین و مذہب کی بات نہیں کر رہا، بلکہ اس تمام تہذیبی قوت کی بات کر رہا ہوں جو اسلام کے باعث فلارنس سے بحر فلاریس تک محیط رہی اور اس کا بہترین زمانہ ساتویں سے سولہویں صدی عیسوی تک سمجھنا چاہیے۔ اس دور کے بعد یورپ کا اپنا اثر بڑھا۔ اسلام کے اثر میں عرب اور عجم دونوں کا ورثہ کارفرما نظر آتا ہے اور اس طرح ایران، بلکہ وسط ایشیا اور چین تک کا اثر یورپ تک پہنچا۔

الفاظ

انسانوں کی زبان پر چڑھے ہوئے الفاظ بھی اپنا ثقافتی قصہ سناتے ہیں۔ علم و حکمت کی ابتدائی تعلیم مدرسوں میں شروع ہو جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ بچے ان الفاظ سے آشنا ہونے لگتے ہیں، گو ان کے ماخذ سے واقف نہ ہوں۔ مثلاً ہیئت میں "زینت" (زینتھ) "نادر"، "عظمت" اور بہت سے ستاروں کے عربی نام۔ موجودہ الجبرا سے ہم عربوں کے واسطے سے ہی واقف ہوئے۔ "صفر" کا لفظ بھی عربوں نے دیا۔ ادویہ سازی اور علم نباتات کے بہت سے نام "سنا"، "سماق"، زنزیرو" (جنجر)، "زعفران" وغیرہ۔ سب سے بڑھ کر علم کیمیا ہے۔ "الکلی"، "بوریس" (سہاگا) "الاکسیر"، "الانبیق" جیسے الفاظ کہاں سے آئے؟ ہم سینکڑوں سال سے یہ لفظ جانتے ہیں۔ بہت سے دوسرے لفظ جیسے "تربوش" (ترکی ٹوپی) یا "فیض" (رومی ٹوپی) نیز "طلسمات"، "جن"، "آذری" وغیرہ الفاظ۔ اسی طرح لباس کا معاملہ ہے۔ ہم "جبّہ" اور "شال" "تفیتہ (فیتہ) سے واقف ہیں۔ اسی طرح "القوی"، "المخزن"، "صوفہ"، "پرشنی" (ایرانی دریچہ)، "تکوینی" (نوٹ بک) سے آگاہ ہیں۔ "مشک" کی خوشبو ہم تک بھی پہنچی ہے۔ "شربت" ہمیں بھی پسند ہے۔ ترنج، لیمون (لیموں)، "بازار"، "طرف" (ٹیرف)، "مسکینی" (غربت)، "حشیش" (بھنگ) کے الفاظ ہمارے لیے مانوس ہیں۔ ہمارے ملاّح "مون سون" سے واقف ہیں، "آرسنل" (اسلحہ) سے بیگانہ نہیں اور ہر سپاہی "سموم" اور "رزی" (رزم) کو بھی پہچانتا ہے۔ پہلے لوگ جب آپس میں ملتے تو "کیلف" (خلیفہ) "سلطان"، "وزیر" اور "درویش" کی خیر خبر سنتے تھے۔ جزیرہ صقلیہ (سسلی)

اور دوسری جگہوں پر مچھیروں کے چودھری کو "کیپ الرئیس" کہتے ہیں۔ یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے اور حسنِ اتفاق سے دونوں ہی ہم معنی۔ "کیپ" بمعنی "سر" اور "رئیس" یا "راس" تو "سر" ہے ہی۔ مختصر یہ کہ اس فہرست کو طول دیا جا سکتا ہے، مگر علوم ظاہری، ریاضی، تجارت، عمارت سازی اور دیگر فنون میں عرب و عجم کا اسلامی اثر ہر جگہ نظر آئے گا۔

بصری فنون

الفاظ کی دنیا سے ہٹ کر ذرا محسوس دنیا کی طرف آیے۔ وسطی جنوبی اٹلی میں ایک جگہ ہے "ابروزی"، اس کا ایک قصبہ ہے "لورِ ستوا پر تینو"، وہاں حضرت مریم کے نام پر ایک گرجا بنا ہوا ہے۔ اس کی تعمیر و زینت کو دیکھیے تو خالص اسلامی اثر و نفوذ ماننا پڑے گا۔ یہ ۱۰۶۶ء میں تعمیر ہوا تھا۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں اس کی دیواروں پر نقاشی کی گئی۔ نقاشوں کا نام معلوم نہیں، مگر ایک نقش کا موضوع ہے حشر و نشر - ایک طویل پل ہے، اسے پل صراط سمجھیے۔ جو اچھے ہیں، آرام سے گزر جاتے ہیں جو بد ہیں وہ گر پڑتے ہیں، جو نیک ہیں ان کی رہنمائی حضرت میکائل فرشتہ کے سپرد ہے۔ اس تصور میں ایرانی یا عجمی اثر صاف جھلکتا ہے۔ صقلیہ (سسلی) یہاں سے بہت دور ہے۔ وہاں عربوں نے عرصہ دراز تک حکومت کی، مگر "ابروزی" جیسے دور دراز مقام پر ان باتوں کا پہنچنا قابلِ لحاظ امر ہے۔ اس کے علاوہ اس جگہ کے گرجاؤں میں جو قدیم ملبوسات اور قالینیں محفوظ ہیں، انہیں سار سینی یعنی عربی الاصل ہی کہنا چاہیے۔ اطالیہ میں مسلمانوں کی آخری مستحکم آبادی "لوسیرا" کے مقام پر تھی۔ یہاں سے "ابروزی" کی سرحد آملتی ہے۔ یہ نوآبادی ۱۳۰۰ء تک موجود تھی، مگر جب چارلز دوم نے عدمِ رواداری حد کو پہنچا دی تو یہ مسلم آبادی ختم ہو گئی۔ ۱۲۲۳ء میں ابن عباد نے سسلی میں بغاوت کا علم ضرور بلند کیا تھا، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ جو مسلمان بچے تھے انہیں فریڈرک دوم نے یہاں لاکر آباد کر دیا تھا۔ ان کی تعداد ۳۰ ہزار سے کم نہ تھی۔ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا اور کوئی سو سال تک یہ لوگ امن و امان کی زندگی بسر کرتے رہے۔ اس زمانے کے عرب اٹلی کی شکل کو دیکھ کر اسے "ارضِ طویل" کہتے تھے۔ ۱۲۶۰ء میں مشہور شافعی قاضی جمال الدین محمد بن سلیم یہاں تشریف لائے تھے۔ وہ مصر کے ملوک سلاطین کی طرف سے سفیر تھے۔ انہوں نے عیسائی بادشاہ منفریڈ سے بھی ملاقات کی تھی جو شاہ فریڈرک دوم کا فرزند تھا۔ اپنی رپورٹ میں انہوں نے لکھا تھا۔

> میں جہاں ہوں، اس کے قریب ایک جگہ ہے جس کا نام "لُجارہ" ہے۔ یہاں کے سب مسلمان صقلیہ سے آئے ہوئے ہیں۔ انہیں شعائر اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کی اجازت حاصل ہے۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ شاہ منفریڈ کے دربار میں بعض اعلیٰ عہدوں پر مسلمان بھی فائز ہیں اور اس کے پائے گاہ میں مسلمانوں کو اذان دینے اور صلوٰۃ ادا

کرنے کی بھی آزادی ہے۔

لوسیرا کے مقام سے مسلمانوں کے زمانے کی مہریں اور دستاویزات بھی ملی ہیں جنہیں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ ۱۳۰۰ء میں انہیں زبردستی تبدیلی مذہب پر مجبور کیا گیا، مگر ان کی ثقافت کا اثر گہرا تھا، اس لیے قائم رہا۔ ان کی وجہ سے دور دراز علاقوں تک مسلمانوں کی تصویر کشی اور وہ تصاویر خاص طور پر پہنچیں جنہیں "ابروزی" نقش کہا جاتا ہے۔ مسلمان نقاشوں کے شاہ پاروں کا بڑا ذخیرہ پلاتینا کے گرجا میں بھی نظر آتا ہے۔ یہ پالیرمو کے مقام پر ہے۔ یہی جگہ سسلی کا دارالحکومت تھی۔ یہیں سے نویں صدی عیسوی سے گیارہویں صدی تک اس تمام نواح میں مسلمانوں کی ثقافت کے ظاہری اثرات پہنچتے رہے، مگر بعد میں دست بردِ زمانہ نے انہیں بڑی حد تک معدوم و مفقود کر دیا۔ عمارات میں مسلمانوں کے حصۂ عمل کی نمود بہرحال باقی ہے۔ اس میں یہاں کے نارمن بادشاہوں کا کام بھی شامل ہے، اسی لیے یہ "عرب نارمن" فنِ تعمیر کہا جاتا ہے۔ یہ طرزِ تعمیر نارمنوں کی فتح اطالیہ کے بعد شروع ہوا، یعنی گیارہویں صدی کے اواخر سے۔ فاتح نارمن بادشاہ کا لڑکا روجر دوم اسلام سے کوئی پرخاش نہیں رکھتا تھا، اس کی شہادت وینس کے سیاح ابن جبیر کے بیان سے بھی ملتی ہے۔ یہ مسلم سیاح ۱۱۸۵ء میں جزیرۂ سسلی میں آیا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ولیم دوم بادشاہ وقت خوب عربی بولتا اور لکھتا ہے، یہاں کے دربار میں بھی عرب موجود ہیں، وہ رمضان کے روزے بھی رکھتے ہیں، پالیرمو کی عیسائی خواتین بھی عربی خوب بولتی ہیں اور مسلمان عورتوں کی طرح نقاب ڈال کر نکلتی ہیں۔

پالیرمو کی اکثر عمارات میں عربوں کی خوش ذوقی شامل ہے، بلکہ بعض ناموں کو دیکھو تو عربی الفاظ کی جھلک بھی ملتی ہے، جیسے "ڈیلاکالسہ" ایک چوک کا نام ہے جو اصل میں "الخالصہ" یعنی کھلی جگہ کے لیے مستعمل تھا۔ اسی طرح "ڈیلافوارا" ہے یعنی عربی کا "الفوّارہ" ہے۔ یہ فوّارہ امیر جعفر، (۹۹۷ء - ۱۰۱۹ء) نے بنوایا تھا۔ بعد میں نارمن بادشاہوں نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔ یہ بہشت ارضی کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتا ہے اور اس کا نقشہ ایرانی باغات سے ملتا جلتا ہے۔ اسی طرح سینٹ کٹالڈو کا گرجا ہے (تعمیر ۱۱۶۱ء)۔ اس کا نقشہ بھی بڑی حد تک مشرقی ہے۔ ایوان کے تین سرخ قبّے دیکھو تو مسجد کا گمان ہوتا ہے، مگر شروع سے ہی یہ گرجا ہے۔ سینٹ جان، عیسائی ولی کے نام پر جو گرجا ہے، ۱۱۳۰ء میں تعمیر ہوا۔ اس پر بھی عرب فن عمارت کا گہرا اثر ہے۔ زیسا کا محل بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ یہ زیسا اصل میں "العزیز" کا بگڑا ہوا تلفظ ہے۔ یہ ولیم اوّل نے بنوایا تھا۔ اسے "کوبا" بھی کہا جاتا ہے جو صاف "قبّہ" (گنبد) کی یاد دلاتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، پالیرمو کی کلیسائے پلاتینا میں جو نقاشی ہے، اس پر بھی مسلم طرز فن کا اثر نمایاں ہے۔ یہ نارمن بادشاہ کے محل کا گرجا ہے۔ اس کا ایک مینار پسان ٹاور کہلاتا ہے اور شمالی افریقہ کے "قصر المنار" کی خصوصیت اس میں بھی ہے۔ یہ قصر المنار بنی حماد (گیارہویں صدی) کے قلعہ میں

نظر آتا ہے۔ اس گرجا کی تعمیر روجر دوم نے کرائی تھی (۱۳۲۲ء - ۱۳۴۰ء) اس کی اندرونی چھت پر لکڑی کا کام ہے جس میں نہایت نفیس "مقرنا" اور دوسرے نقوش و اوضاع نظر آتے ہیں۔ یہ کن مسلمان ہنروروں کا کام تھا، اس کا پتہ نہ چل سکا۔ مور، کھجور، شاہین اور اسی طرح کے دیگر نقوش اس کام کی اصل کی طرف ذہن راجع کرتے ہیں اور ایران کے "چھوٹے مرقعوں" کی یاد دلاتے ہیں۔

ملبوسات اور قالینیں

صرف عمارات ہی نہیں، ملبوسات اور قالینیں بھی اسلامی طرزِ فن کی شاہد ہیں۔ ایسے نوادر یہاں کے گرجاؤں میں محفوظ ہیں۔ ایک اطالوی مصوّر نے اپنا نقش کسی اناطولی قالین کو دیکھ کر ہی بنایا تھا۔ یہ قالین پندرہویں صدی تک وسط اطالیہ کے ایک گرجا میں محفوظ رہا اور اب برلن کے عجائب خانے میں ہے۔ پیلی زمین پر اژدھے اور خیالی پرند، "ققنس"، کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ اناطولیہ (ترکی) میں یہ نقوش تیمور کے ساتھ چین اور وسط ایشیا سے سفر کرتے ہوئے پہنچے۔ اس قسم کے اوضاع بے شمار اطالوی فنکاروں کے کام میں جھلکتے ہیں، بیشتر فلارنس کے عجائب خانے میں موجود ہیں۔ ٹسکانی کے علاقے میں لکہ کا مقام مسلم تاجروں کی منڈی تھی جہاں اسلامی طرز کے کپڑے دور دور سے بکنے آتے تھے۔ بعض کے عربی الاصل نام زبان زد ہیں، مثلاً "تفیتا"، "فیتہ" ہے۔ "کموکا" یا "کموکاٹو" ایرانی "کمخواب" ہے۔ ایک پارچہ "سگلاتون" ہے جو "سقلات" کا دوسرا روپ ہے۔ "گھیلا ریشم" گیلانی ریشم ہے۔ "مسند رونی" کپڑا مازندرانی ریشم کا دوسرا نام ہے۔ یہ چند نام اور کہیں نہیں تو دانتے کے ہاں تو ملتے ہیں۔ اس نے "طربیہ خداوندی" میں یہ نام گنوائے ہیں اور تاتاری و ترکی ملبوسات کا بھی ذکر چھیڑا ہے۔ اکثر کپڑے نارمن بادشاہِ پالیمرو کے اپنے کارخانے میں بنتے تھے۔ خود یہ کارخانہ "طراز" کہلاتا تھا۔

ویانا میں وہ مقدّس عبا رکھی ہوئی ہے جو "مقدّس رومی شہنشاہوں" کو تاجپوشی کے وقت دینی رسم کے دوران پہنائی جاتی تھی۔ یہ تیرہویں صدی کے بعد تک استعمال میں رہی (گو صرف رسماً ہی)۔ یہ بھی پالیمرو کے کارخانے میں بنائی گئی تھی جو نارمن بادشاہوں نے مسلم کاریگروں کے ہاتھ سے بنوائی تھی۔ اس عبا کے حاشیے پر عربی میں دعائیہ جملے لکھے ہوئے ہیں، بلکہ بنانے کی تاریخ بھی "۵۲۸ ہجری" درج ہے اور لکھا ہے کہ یہ صقلیہ کے دارالحکومت میں تیار ہوئی۔ رومی بادشاہوں کی تاجپوشی کے وقت جو شاہی نشان استعمال ہوتا تھا، اس پر بھی عربی عبارت مرقوم ہے۔ اس میں بھی سن ہجری نظر آتا ہے۔ یہ نشان انیسویں صدی کی ابتداء تک استعمال میں رہا۔ اس پر بھی لکھا ہے کہ یہ اٹلی کے مسلمان صناعوں نے بنایا۔ اس شاہی نشان میں دو شیر بنے ہوئے ہیں اور بیچ میں حیات کی علامت، ایک تناور درخت ہے۔ یہ بالکل عجمی تصوّر ہے۔ خط واضح طور پر عربی ہے۔ عرصۂ دراز تک اطالوی نقاش، زبان نہ جاننے کے

باعث، اسے صرف نمونۂ فن سمجھتے رہے۔ آرائشوں کے لیے کوفی خط کو یہاں بہت فروغ ہوا، بالخصوص وہ بے شمار وضعیں "جول" اور "الف" سے نکالی گئی تھیں۔ کاشانی پیالوں پر بنے ہوئے زنجیرے دار نمونے تیرہویں صدی تک یہاں رائج رہے۔ قرآن شریف کی جلدوں پر بنے ہوئے نقش و نگار پندرہویں صدی کی اطالوی عمارات پر بھی جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ فنکار، لیونارڈو ونسی (۱۴۵۲ء - ۱۵۱۹ء) کی مشہور صنعت "ہشت گرہ" کہلاتی تھی۔ وہ بھی ایسے ہی نمونوں سے مستعار ہے۔ اٹلی کے شہر میلان میں سفورزا محل میں ڈوری کی بندشوں کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ بھی اسلامی صناعوں کی اختراع ہے۔ اناطولیہ یا ایران کے نمونے اٹلی اور یورپ میں بہت زمانے تک مروّج رہے۔ ان کی تفصیل بہت لمبی ہے۔

ہنروری کے دیگر نمونے

وینس یورپ کا دوسرا گہوارۂ فن ہے۔ یہاں بھی ہمیں مسلم فن کا اثر دکھائی دیتا ہے ٹ مثلاً "پروکیور۔ سٹوریا" کی صندوقچی پر چنگ و رباب بجانے والے دو ایرانی موسیقار نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ وینس اور سارسانی (عربی) فن کی نمود پیتل کے ظروف پر بھی موجود ہے۔ عراق، شام، ایران اور مصر کے ہزاروں کارخانے یہ نمونے تیار کرتے تھے اور اہلِ یورپ ان کو دیکھ کر عش عش کرتے تھے۔ ان میں پیالے، تشتریاں، عوددان، دواتیں، طشت، صراحیاں وغیرہ شامل تھیں۔ ان کی جلا بھی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ ان پر جڑاؤ کام بھی ہوتا جو سونے یا چاندی کا ہوتا۔ اٹلی میں اسلامی ہنر کی ستائش زیادہ تھی اور اس قسم کے کام کو "دمشقی" یا "عجمی" کام کہا جاتا تھا۔ پندرہویں اور سولہویں صدی تک ان چیزوں کو اٹلی، خاص کر وینس میں بہت پسند کیا گیا۔ وینس میں شام اور ایران کے بہت صناع آتے اور دادِ ہنر پاتے تھے۔ بعض نام تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں، کیوں کہ بنانے والوں نے اپنے نام ثبت کر دیے تھے۔ مثلاً محمود الکردی، زین الدین عمر، قاسم، حبیب اللہ بن علی مہرجانی، علاؤ الدین برجندی وغیرہ۔ اس کے بعد اطالوی صناعوں نے ان نمونوں کو خود بھی بہت ترقی دی۔ یہ فن "ازمینی" کام کے نام سے مشہور ہوئے جو دراصل "عجمی" ہنر مندی ہی تھی۔

جب ہم سولہویں صدی تک پہنچیں تو چند اور عجائبات بھی نظر آئیں گے۔ جنوبی اٹلی کے بعض شہروں میں طرح طرح کے نوادر ملتے ہیں۔ مثلاً "سٹاڈلی کاسٹیلو" میں پادری کی کرسی۔ یہ عرب اور "المغرب" (یعنی شمالی افریقہ) کا فن ہے۔ فلانس میں میناٹو کے گرجا میں، پسا شہر کے گرجا میں فاطمی عہد کے صناعوں کا کام موجود ہے۔

علوم

اب علم و فکر کی دنیا میں آ یے۔ مسلمانوں کی حکمت اور علم پروری کا ایک زمانہ تک چرچا رہا۔ میں

ان کا کہاں تک بیان کروں! ایک واقعہ سن لیجیے، اطالیہ کے ایک ڈاکٹر ہیں جن کا نام پروفیسر ٹوماسی سار نیلی ہے۔ یہ طب کے استاد ہیں۔ عربی خوب جانتے ہیں اور بہت سے اسلامی ملکوں میں رہے ہیں۔ ایک دفعہ وہ یمن پہنچے، ایک مقام پر ایک پرانے عرب حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی، وہ تشخیص و تجویز کے لیے جس کتاب سے ہر وقت کام لیا کرتے تھے، وہ ابن سینا کی "القانون فی الطب" تھی۔ یہ اس کا وہ عربی ایڈیشن تھا جو ۱۵۹۳ء میں روم میں چھاپا گیا تھا۔ دنیا میں عربی حروف میں "القانون" کا یہ سب سے پہلا مطبوعہ نسخہ تھا۔ یہ بھی اٹلی میں چھپا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اٹھارہویں صدی تک مغربی ڈاکٹروں میں فنِ طب پر یہ کتاب سند مانی جاتی تھی۔

جدید علوم کی شروعات

موجودہ دور علم و دریافت کا سہرا "تجربے" اور "تجزیے" کو سمجھا جاتا ہے۔ اس کی شروعات بھی مسلمان حکماء نے کی تھیں۔ بالخصوص ریاضی میں ان کی درک بہت قابلِ قدر تھی۔ عربی ہندسوں کا رواج اور عربوں کے الجبرا کا ذکر یہاں ناموزوں نہ رہے گا۔ یہ یونانیوں کے اقلیدس کی تجریدیت سے مبرّا ہے۔ تجربے اور تجزیے کے ذوق میں بے شمار مسلمان حکماء کا نام لیا جاسکتا ہے۔ آپ اس دور کو عرب اسلامی سائنس دانوں کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسلام توحید کا سبق دیتا ہے اور ہر شے کو ذات باری کی رحمتوں اور نعمتوں سے وابستہ کرتا ہے جو یونانی صنم پرستی اور کفر سے قطعاً جدا احساس پیدا کرتا ہے، اس لیے عرفانِ حق اور حقائقِ اشیا کی جستجو مسلمانوں کا خاص ورثہ ہے۔ ان سائنس دانوں میں یہ چینٹک تھی کہ خدا کی بنائی ہوئی کائنات کے راز معلوم کریں تاکہ ذات الٰہی کا قرب حاصل ہو۔ حضور ﷺ کی یہ حدیث کہ علم حاصل کرو خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو، مسلمان حکمرانوں اور سائنس دانوں کے لیے مشعلِ راہ بنی۔ یہی وجہ ہے کہ رازی (وفات ۹۲۵ء) جیسا مسلم سائنسدان ہمیں نظر آتا ہے جس نے مغربی طبّ پر عرصۂ دراز تک اپنا اثر قائم رکھا۔ اٹلی میں کچھ نہیں تو پانچ سو برس تک اس کی حکمت عام رہی۔ اس کی کتابوں کے ترجمے یہاں بہت ہوئے۔ اسی طرح ابن زہیر (وفات ۱۱۶۲ء) کا نام لیجیے جس نے جرّاحی اور ادویہ کو الگ الگ کیا (مغرب والوں نے یہ فرق بہت بعد میں آکر کیا)۔ اسی عہد میں علم نظر کے شاہکار تالیف ہوئے جن کے اصول اٹھارہویں صدی تک یورپ میں مانے گئے۔ میئر ہوف نے ثابت کیا ہے کہ یہ ابن النفیس ہی تھا جس نے پھیپھڑوں کی نالیوں میں گردشِ خون کا مسئلہ جانچا۔ یہ یورپ والوں نے بعد میں دریافت کیا۔ اس مسلمان حکیم کی کتابوں کا ترجمہ الباگو نے چودھویں صدی میں بزبان اطالوی کیا۔ یہ کتابیں ۱۵۴۷ء میں بمقام وینس طبع ہوئیں۔ ایران نژاد البیرونی (وفات ۱۰۵۰ء) کو بھی لیجیے جس نے مختلف چیزوں کے اوزانِ طبعی کے طریقے مقرّر کیے اور ایسے صحیح کہ موجودہ حکمائے یورپ بھی اس کے قائل ہیں۔ اسی طرح المامون کے درباری منجمین نے پامیرا کے شمال میں ایک نقطے

سے سمت الراس کی قوس ناپنے کا طریقہ نکالا۔ یہ ۱۸۵،۱۱۱ میٹر ثابت ہوا۔ موجودہ دور کے بہترین آلات سے جو ناپ کی گئی ہے اس سے صرف ۵۷۷ میٹر کا فرق نکلا ہے۔ "اصطرلاب" کو مسلمانوں نے ہی مکمل کیا۔ یہ آلہ نہ صرف خوبصورت سے خوبصورت بنتا چلا گیا، بلکہ اطالوی بحر پیماؤں نے اس سے بڑا کام لیا۔ سب سے بڑا علمی کام الجبرا اور عربی ہندسے کے باعث ہوا۔ اس ضمن میں الخوارزمی (وفات ۸۴۶ء) کا ذکر ضروری ہے۔ یورپ میں اس کی شاخ ریاضی کا تعارف اطالوی استاد "لیونارڈو فیبو ناگی ڈالیسا" کے ذریعے ہوا (۱۱۷۰ء-۱۲۳۰ء)۔ اس نے الجبرا کی تعلیم بجایہ میں پائی تھی۔

نقشہ نویسی و جغرافیہ

نقشہ نویسی اور جغرافیہ کے میدان میں الادریسی کا ذکر ہمیشہ کیا جائے گا۔ اس کی وفات اٹلی ہی میں ہوئی (۱۱۶۶ء)۔ وہ پالیرمو میں نارمن بادشاہوں کا متوسل رہا۔ اس کی کتاب، "جغرافیہ" میں ایسے ایسے نقشے تھے جو اس وقت تک کہیں نہ بنے تھے اور صحت میں بے مثال تھے۔ یہ کتاب سسلی کے بادشاہ روجر کے نام پر "کتاب روجر" کے نام سے ہی مشہور ہوئی۔ اسی طرح علم نظر میں مسلمان حکماء کا کام ہے۔ الحیزن [ابن الہیثم] نے اقلیدس اور بطلیموس پر جو اعتراض کیے ہیں ان کو اس نے خوب ثابت کیا ہے۔ وہ سب مشاہدہ اور تجربے کی کسوٹی پر پورے اترے۔ اشعہ نظر کا کسی شے پر مرتکز ہونا اسی نے سمجھایا۔ اس حکیم نے ہی سورج گرہن کے وقت اس کے عکس میں نیم شبیہ قمر کا مشاہدہ کیا جس کے لیے اس نے ایک کمرہ بنا کر اور دریچے میں سوراخ کر کے اپنا تجربہ مکمل کیا تھا۔ اسے بھی آپ "کیمرے" یا "ڈارک روم" کی ابتداء کہہ سکتے ہیں۔ محدب اور غیر محدب شیشوں سے اس نے آلۂ مکبّرِ شبیہ بنایا۔

کیپلر اور لیونارڈو ونسی کے مشاہدات فلک پر اس مسلمان حکیم کی کتاب کا اثر غالب ہے۔ اس کتاب کا اطالوی ترجمہ "آپٹیکی تھیاسیرس" کے نام سے چھپا تھا۔ طب و حکمت کے کم از کم ستر رسالے عربی سے اطالوی میں اسی وقت ترجمہ ہو چکے تھے۔

شعر و ادب

شعر و ادب کی دنیا پر بھی مسلمانوں کا اثر نمایاں رہا ہے۔ ہمارے ہاں بہت سے قصّے، حکایتیں، لطائف مشرق سے ہی پہنچے۔ یہ قصّے ایران سے ہوتے ہوئے اٹلی آئے اور پھر پورے یورپ میں عام ہوئے۔ یہ خیالی قصّے تھے، مگر اسلوب کی گرفت بے پناہ تھی۔ اسلام نے یورپ کی بیانیہ تحریروں میں اصلیت پسندی کی روح پیدا کی۔ عربی نثر نے بھی اپنا اثر پیدا کیا۔ نظم کے پہلے سٹینزا کی ہیئت اور قافیے کی پابندی کا عربی اسلوب اسپین سے اٹلی تک آیا۔ ہمارے قدیم شعر پر اس کا اثر اسی دور کی یادگار

ہے، مثلاً جیکو بین ڈا ٹوڈی " (۱۲۳۰ء-۱۳۰۶ء) کے ہاں جو ہیئتِ شعر ملتی ہے، وہ ہمیں مخمس اور ترجیع بند کی یاد دلاتی ہے۔

ڈانٹے اور اسلامی اثرات

ڈانٹے پر ہمارے ہاں بڑی تحقیق ہوئی ہے۔ دو علمائے ادب کا خاص طور پر یہ خیال ہے کہ ڈانٹے پر مسلم ماخذ کا کافی اثر تھا اور یہ اثر اس کی نظم "طربیۂ خداوندی" میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں بالکل متوازی مثالیں تو چنداں نہیں ملتیں، مگر اس ضمن میں مشہور "کتاب المعراج" کا ذکر اکثر کیا جاتا ہے۔ ان محققوں نے بتایا ہے کہ اس وقت یورپ میں "کتاب المعراج" کے دو ترجمے موجود تھے۔ ایک لاطینی میں، دوسرا قدیم فرانسیسی میں۔ ڈانٹے یہ دونوں زبانیں خوب جانتا تھا۔ بہت سی جزیات قابلِ غور ہیں، مگر صرف اتنا ہی اثر ڈانٹے پر نہ تھا۔

ڈانٹے کی تحریروں پر ارسطوی اور بطلیموسی فکر و فلسفہ چھایا ہوا ہے۔ ان کے فلسفے کے تعارف اور چھان بین کے سلسلے میں مسلمان اربابِ دانش کی کوششوں کو گھٹایا نہیں جا سکتا۔ ہمارا ایک دوسرا فلسفی سینٹ تھامس اکیوی ناس تھا (۱۲۲۵ء - ۱۲۷۴ء)۔ وہ بھی مسلمان فلاسفہ کی خوشہ چینی سے آزاد نہیں ہے۔ نوفلاطونی ارسطوئیت بھی مسلمان مفکروں کی مرہونِ منت ہے۔ ڈانٹے تو ابن سینا سے بہت ہی متاثر ہے۔ وہ اس مسلمان حکیم کو اپنے عقیدے کے مطابق "کافر" تو گردانتا تھا، مگر اس بات پر راضی نہ ہو سکا کہ اپنی نظم میں وہ اسے کہیں دوزخ میں دکھائے۔ اس لیے وہ ایک عالمِ برزخ میں دیگر حکماء کے ساتھ نظر آتا ہے جہاں صلاح الدین ایوبی اور ابن رشد بھی موجود ہیں۔ سینٹ تھامس بھی عربی جبّہ پہنے ہوئے نظر آتے ہیں۔

سینٹ تھامس اور ابن رشد دونوں کا ذکر "عربیت" (اسلام) کے ضمن میں کیا جاتا ہے، بلکہ قرونِ وسطیٰ کے اٹلی میں "ایوے رواسٹ" (ابن رشد کے متبعین) بہت تھے، مگر اکثر لوگ "عربیت" اور "ابن رشدیت" کو گڈمڈ کر دیتے ہیں۔ اٹلی کی پاڈوا یونیورسٹی میں چودھویں، پندرھویں اور سولھویں صدی تک ابن رشد کے ماننے والے بہت رہے جنھیں "آزاد خیال" مفکر کہا جاتا تھا۔ یورپ میں سائنسی دورِ احیاء کے باب میں ابن رشد کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مختصر یہ کہ مسلم فلسفے نے اگر اطالوی فکر پر اثر ڈالا تو ابن سینا نے خاص طور پر سینٹ تھامس جیسے فلسفی کو متاثر کیا۔

ایک سوال

اب آخر میں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ اور یورپ کے دورِ احیائے علوم میں جب ہم اتنے زبردست اسلامی اثر کو دیکھتے ہیں تو معاً یہ خیال ذہن میں ابھرتا ہے کہ بعد کی صدیوں میں

اثرات معدوم کیوں ہو گئے؟ اس کا جواب بہت آسان ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اسلامی روح بڑی حد تک وہی ہے جسے آج کل ہم "روحِ مغرب" کہتے ہیں۔ یعنی دریافت و حرکت و عمل۔ اسلامی اثرات نے یورپی اندازِ فکر کو بدلا، مگر جب یہ سلسلہ کار ختم ہوا تو پس منظر میں چلا گیا۔ اس کا راز اقبال نے خوب سمجھایا ہے۔ اس حکیمِ دانا نے بتایا کہ یہ روح "ایک نوع کے ایشیائی تصوّف میں پہنچ کر تحلیل ہو گئی۔ توحید کی ترقی پسندانہ اور مستحکم بنیاد مسلمانوں کی نظر سے اوجھل ہو گئی۔" بہرحال ہوا ایسا ہی، مگر اس دور میں حالات نے پھر کروٹ لی ہے۔ یہ ایٹمی توانائی کا دور ہے اور لازماً اس کے اپنے شر و فساد بھی ہیں، مگر اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ یہ عہد، یہ جدید ثقافتِ عالم ترقی پذیر اور ترقی پسند ہے۔ اس کی جڑیں تاریخ کی سرزمین میں پیوست ہیں۔ دنیا بہ سرعت قدیم سے جدید کی طرف بڑھ رہی ہے۔

ماضی کی طرف لوٹنے والوں کی مثال "ہندویت" کی طرف ذہن راجع کرتی ہے، مگر جدید اسلام اپنی قوّت آپ ہے اور یہ قوّت اپنا مقام پیدا کر رہی ہے۔ اس کے بہترین نمائندے بڑا کام کر گئے۔ اسلام کا قدم جدید کی طرف ہوگا۔ ہم اس سے بہت کچھ سیکھیں گے۔ اسی سلسلے میں مشہور فرانسیسی مستشرق، ماسینوں نے خوب کہا ہے کہ میں نے اپنے دین اور یسوع کی دریافتِ نو محبتِ اسلام کے طفیل حاصل کی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام ایک توحید پرست مذہب ہے اور وہ اپنی اہمیت کے باعث ہمیں بت پرستی و کفر سے بچائے رہے گا۔ وہ مجھے یہ بھی یاد دلاتا ہے کہ ثقافتِ عالم ایک ہو جائے گی، ایک خالص پاکیزہ انسان دوستی کی۔ یورپ نے ماضی کا سبق بھلا دیا ہے اور اس پر اقبال نے اسے لتاڑا بھی ہے۔

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا رازِ توحیدِ اُمم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیبِ فرنگی بے حرم ہے